www.urdupalace.com

ناگن کا انتقام

ملک این اے کاوش۔سلانوالی

دھاگے پر قرآنی آیات پڑھ کر پھونک مارتے ھی دھاگے میں تحریک پیدا ھوئی اور چشم زدن میں وہ دھاگہ ایک خوفناک بپھری ھوئی ناگن کا روپ دھار لیا اور پھر اس کی پھنکار نے دھشت زدہ کر دیا۔

آنکھیں بند کر کے دوسروں پر بھروسہ کرنے والوں کے لئے لرزیدہ لرزیدہ کہانی

"**میرا** یقین کرو بیٹا میں نے کچھ نہیں کیا....." زہرا بیگم نے بے بسی اور بے چارگی سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"بھلا مجھے کیا ضرورت تھی ماہ نور کو مارنے کی۔ وہ میری پوتی تھی اور تم نے کیسے سوچ لیا کہ میں اپنی پوتی کو مار سکتی ہوں۔"

پورا ٹی وی لاؤنج زہرا بیگم کی فیملی سے بھرا ہوا تھا۔ ان کے تینوں بیٹے نعمان، ارسلان اور فیضان ان کی بیویاں ارم، شبانہ اور مومنہ سمیت ان کی اولاد بھی جمع تھی۔ یہی نہیں انسپکٹر خاور اور تین لیڈی کانسٹیبل بھی وہاں پر موجود تھے۔ ماہ نور ارسلان اور شبانہ کی دختر تھی۔ جسے عین اس وقت جب ساری فیملی ایک نائٹ پروگرام میں شامل تھی۔ بے دردی سے قتل کر دیا گیا تھا۔ ماہ نور کی عمر کم و بیش پندرہ سال تھی۔ ماہ نور کو ٹی وی لاؤنج زہرا بیگم کی فیملی سے بھرا ہوا تھا۔ ان کے تینوں بیٹے نعمان، ارسلان اور فیضان ان کی بیویاں ارم، شبانہ اور مومنہ سمیت ان کی اولاد بھی جمع تھی۔ یہی نہیں انسپکٹر خاور اور تین لیڈی کانسٹیبل بھی وہاں پر موجود تھے۔ ماہ نور ارسلان اور شبانہ کی دختر تھی۔ جسے عین اس وقت جب ساری فیملی ایک نائٹ پروگرام میں شامل تھی۔ بے دردی سے قتل کر دیا گیا تھا۔ ماہ نور کی عمر کم و بیش پندرہ سال تھی۔ ماہ نور کو ٹی وی لاؤنج میں ہی قتل کیا گیا تھا۔ اس وقت گھر میں زہرا بیگم اور دیگر ملازمین تھے۔ سارے ملازموں نے اپنی آنکھوں سے زہرا بیگم کو ماہ نور کا قتل کرتے دیکھا تھا یہی نہیں سی سی ٹی وی کیمرے نے رہی سہی کسر پوری کر دی تھی۔ زہرا بیگم متواتر بضد تھیں کہ وہ بے گناہ ہیں جبکہ ثبوت ان کے متضاد تھے۔ اتنے مترشح ثبوتوں کو سامنے رکھتے ہوئے بھلا کوئی کیسے زہرا بیگم کی بات پر یقین کر سکتا تھا۔

ملازمین نے فوراً ہی کال کر کے سب کو بلا لیا تھا۔

"امی اس گھر میں آپ وہ واحد ہستی تھیں جو سب سے زیادہ ہماری بچی ماہ نور سے محبت کرتی تھیں تو پھر آپ نے کیوں ایسا کیا.....؟" ارسلان نے ماں کے قریب

www.urdupalace.com

کھڑے ہو کر پوچھا۔

ماں سے یہ سوال کرتے ہوئے اس کی زبان تھرتھرا رہی تھی۔ آنکھیں اشکبار تھیں اور دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ ماہ نور کی لاش پوسٹ مارٹم کے لئے لے جائی جا چکی تھی۔ زہرا بیگم ارسلان کی بات سن کر حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر رہ گئی تھیں۔ انہیں یقین نہیں ہو رہا تھا کہ ان کا بیٹا آج انہیں قاتل قرار دے رہا تھا۔ ان کا معصوم سا دل کرچیاں کرچیاں ہو کر رہ گیا تھا۔ اب ان کے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ خود کو پولیس کے حوالے کر دیں۔

لیڈی پولیس کانسٹیبل نے زہرا بیگم کو ہتھکڑی لگائی تو ان کے تینوں بیٹوں کے دل حلق کو آن لگے۔ یہ بات ان کے دل بھی ماننے کو تیار نہ تھے کہ ان کی ماں یہ کام کر سکتی ہے لیکن حقائق و واقعات بتاتے تھے کہ وہ قاتل ہیں۔ اگر وہ واقعی قاتل ہیں تو آخر انہوں نے ماہ نور کا قتل کیوں کیا.....؟

ہزاروں سوالیہ نشان بن چکے تھے لیکن کسی کے پاس کوئی حل نہ تھا۔ پولیس زہرا بیگم کو لے کر جا چکی تھی۔ ساری فیملی سر پکڑ کر بیٹھی تھی۔ ماہ نور کی ماں اور باپ دونوں کی حالت بری تھی، جسے اطلاع ملتی جا رہی تھی فیملی کے افراد اور جاننے والے اکٹھے ہوتے جا رہے تھے۔ ماہ نور کی ڈیڈ باڈی جلد ہی ان کے سپرد کر دی گئی جسے بنا کسی تاخیر کے منوں مٹی تلے دبا دیا گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

زہرا بیگم کو حوالات کی نذر کر دیا گیا تھا۔ نازوں سے پلی بڑھی زہرا بیگم کو حوالات جہنم کے مترادف دکھائی دے رہا تھا۔ جس کے قدموں نے آج تک کچی زمین پر پاؤں نہیں دھرا تھا آج اسے حوالات کے اندر ٹوٹے پھوٹے فرش پر بیٹھنا پڑ رہا تھا۔ بدبو کے بھبھوکے اس کے نتھنوں سے متواتر ٹکرا رہے تھے۔

جہاں ایک طرف زہرا بیگم کو اس انہونی پر حیرت تھی۔ حقیقت یہی تھی کہ انہوں نے اپنی پوتی کا قتل نہیں کیا لیکن جو ثبوت تھے ان سے انکار کا کوئی جواز نہ تھا۔ سوچ سوچ کر ان کے دماغ کی شریانیں پھٹی جا رہی تھیں۔ رات کے اندھیرے پر ابھی تک دن کے اجالے نے اپنا تسلط قائم نہیں کیا تھا۔ زہرا بیگم کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور جا چکی تھی۔ حوالات کے اندر لگے مدقوق بلب کی روشنی بس نہ ہونے کے برابر تھی۔

زہرا بیگم سوچوں کے بھنور میں بری طرح سے پھنسی ہوئی تھیں۔ جب ان کی سماعت سے یک لخت سانپ کی پھنکاری کی بازگشت ٹکرائی۔

خوف کی ایک سرد لہر نے ان کے پورے وجود کو ہلا کر رکھ دیا۔ زہرا بیگم جھرجھری سی لے کر رہ گئیں۔ تبھی ان کی نگاہ اس سانپ پر پڑی جو اس کوٹھری میں داخل ہو چکا تھا۔ زہرا بیگم کو اپنی موت مترشح دکھائی دینے لگی تھی۔ زہرا بیگم سمٹ کر دیوار سے جا لگی تھیں۔ ان کا پورا وجود وائبریٹ کر رہا تھا یہی نہیں پورا جسم پسینے میں شرابور ہو چکا تھا۔

سانپ رینگتا ہوا ان سے کچھ فاصلے پر پھن پھیلا کر کھڑا ہو گیا۔ زہرا بیگم کی دہشت بھری نگاہیں سانپ پر مرتکز تھیں۔ یک لخت ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جسے دیکھ کر زہرا بیگم کے قدموں تلے سے زمین سرک گئی۔ اس سانپ نے یکدم روپ بدلا اور اب ان کے سامنے سانپ کے بجائے مومنہ اس کی سب سے چھوٹی بہو کھڑی انہیں کھا جانے والی آنکھوں سے گھورے جا رہی تھی۔

"شاک تو لگا ہوگا ماں جی.....؟" مومنہ نے دانت پیستے ہوئے پوچھا۔ "تم ٹھیک کہہ رہی تھی کہ تم قاتل نہیں ہو لیکن افسوس کہ تمہارے سگے بیٹوں نے تمہیں قاتل کہا تھا۔"

"تت.....تم کون ہو.....؟" زہرا بیگم نے تھرتھراتی ہوئی زبان سے پوچھا۔

"بدنصیب کہیں کی دیکھ تو چکی ہو کہ میں ایک ناگن ہوں..... اچھا دھاری ناگن۔" مومنہ نے جواب دیا۔ "شاید تم نے مجھے پہچانا نہیں زہرا بیگم؟ میں وہی ہوں جس کے شوہر کو تمہارے شوہر نے گاڑی تلے کچل دیا تھا۔ اگر میں وہاں سے نہ بھاگتی تو تم لوگ مجھے بھی ابدی نیند سلا دیتے۔ میں نے اسی دن تہیہ کر لیا تھا کہ تمہارے خاندان کو تہس نہس کر کے رکھ دوں گی اور اس کی ابتدا میں نے تمہارے خاوند سے کی اس کے جسم میں میں نے اتنا زہر بھر دیا تھا کہ اس کا جسم گل سڑ گیا تھا۔ تڑپ تڑپ کر مرا تھا وہ۔ تمہاری پوتی کو میں نے تمہارا روپ دھار کر عین اس وقت مارا جب سب ملازم دیکھ رہے تھے۔ تمہاری موت پکی ہے لیکن مرنے سے قبل تم اپنے پورے خاندان کی تباہی کا منظر دیکھ کے مرو گی زہرا بیگم۔"

اتنا کہہ کر مومنہ نے ایک بار پھر ناگن کا روپ دھارا اور جیسے آئی تھی ویسے ہی پلٹ گئی۔ زہرا بیگم کی رگوں میں دوڑتا لہو منجمد ہو کر رہ گیا تھا۔ انہیں اچھی طرح سے یاد تھا کہ اس روز مرنے والا ناگ اپنی غلطی کی وجہ سے مرا تھا۔ تیز رفتار گاڑی کے سامنے یکدم آ جانے کی وجہ سے وہ کچلا گیا تھا۔ انہیں اپنے سہاگ کی موت بھی یاد تھی۔ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ انہیں کسی زہریلے سانپ نے ڈس لیا تھا۔ پلک جھپکتے میں ان کا سارا جسم کالا پڑ گیا تھا جگہ جگہ آبلے نکل آئے تھے۔ حالت اتنی دگرگوں ہوئی کہ فوراً دفن کرنا پڑا تھا۔

زہرا بیگم کو اس ساعت پر تاؤ چڑھ رہا تھا۔ جب ان کے بیٹے نے مومنہ کو گھر کو لا کر اس کی روداد سنائی کہ "اس کے ماں باپ گزر گئے ہیں۔ وہ اچھی لڑکی ہے۔ اور وہ اس سے شادی کرنے کا متمنی ہے۔ مومنہ شکل و صورت کے اعتبار سے کافی خوب صورت تھی۔ بلا چوں چراں اسے قبول کر لیا گیا تھا۔ اس کے بعد اس خاندان پر برے دن شروع ہو گئے تھے۔

زہرا بیگم کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے تھے۔ وہ جانتی تھیں کہ کوئی بھی ان کی بات پر یقین نہیں کرے گا۔ ایک لمبے عرصے بعد انہیں اپنے خالق کی یاد آئی۔ ہاتھ دعا کے لئے اٹھے۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو گیا۔ یہی وہ حالت ہوتی ہے جب عرش و فرش کا مالک نیلی چھت والا رحمٰن رحیم اپنے بندوں کی آہیں سنتا ہے۔ زہرا بیگم کی دعا بھی عین اس وقت قبول ہو گئی۔

زہرا بیگم کو جیل بھیج دیا گیا۔ عدالتی فیصلے کے مطابق انہیں سزائے موت سنا دی گئی لیکن فیصلے کے دوسرے ہی دن ان کی فیملی نے انہیں معاف کر کے رہا کروا لیا۔ اس وقت بھی زہرا بیگم رو رو کر سب کو یقین دلاتی رہیں کہ وہ بے گناہ ہیں۔ راستے میں ہی ان نے تینوں بیٹیوں کو مومنہ کی حقیقت بتائی جسے سن کر ایک بار تو فیضان بھڑک اٹھا لیکن پھر انہوں نے ان کے سامنے اپنے خاوند کی موت کا قصہ بیان کیا۔

گھر جانے کے بجائے گاڑی کو اندرون شہر کی طرف موڑ دیا گیا۔ ابھی تک کوئی بھی زہرا بیگم کی بات پر یقین کرنے والا نہیں تھا۔ زہرا بیگم کے کہنے پر گاڑی شہر کی اور مرشد باقر شاہ کی رہائش کی طرف موڑی گئی تھی۔ مرشد باقر شاہ کی عمر سو سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ ان کے پاس نوری طاقتیں تھیں۔ ان کی زندگی خدمت خلق کی نذر ہو چکی تھی۔ زہرا بیگم کے گھرانے پر ان کے بے شمار احسانات تھے۔ جس وقت وہ لوگ باقر شاہ کی رہائش پر پہنچے اس وقت مرشد باقر شاہ گھر پر ہی موجود تھے۔

ساری بات جب مرشد باقر شاہ کو بتائی گئی تو انہوں نے کالے رنگ کا ایک دھاگہ نکال کر فرش پر پھینکا اور ان سب کی طرف متوجہ ہوئے۔

"میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔" مرشد باقر شاہ بولے۔ "لیکن میں کچھ دیر ایک وظیفہ کروں گا اگر تمہاری بات سچ ہوئی تو یہ دھاگہ سانپ کا روپ دھار لے گا علاوہ ازیں ایسا کچھ نہیں ہوگا۔"

مرشد باقر شاہ کی بات سن کر سب کی توجہ اس دھاگے پر مرکوز ہو گئی۔ خاص کر زہرا بیگم کے پورے وجود میں چیونٹیاں سی دوڑنے لگی تھیں۔ وہ متواتر یہی سوچ جا رہی تھیں کہ اگر یہ بات غلط ثابت ہوئی تو ان کی اولاد کا ان سے ہمیشہ کے لئے اعتبار اٹھ جائے گا۔ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ زہرا بیگم کو اپنا لہو منجمد ہوتا معلوم ہو رہا تھا۔

مرشد باقر شاہ متواتر قرآنی آیات کا ورد کر رہے تھے جبکہ دوسری طرف وہ دھاگہ جوں کا توں ویسے کا ویسا پڑا تھا۔ مرشد باقر شاہ نے یک لخت پڑھنا چھوڑ دیا اور ایک لمبی پھونک اس دھاگے پر ماری۔ سب کی نگاہیں اسی دھاگے پر مرکوز تھیں۔

پھونک مارنے کی دیر تھی کہ دھاگے نے آناً فاناً حرکت کی۔ یہ دیکھ کر سب کے قدموں تلے سے زمین سرک گئی کہ ان کے سامنے پڑے دھاگے کی جگہ ایک چمکدار سانپ پھن پھیلائے کھڑا تھا۔ مرشد باقر شاہ نے دوبارہ اس دھاگے پر پھونک ماری۔ دھاگہ اپنی اصل شکل میں آ گیا۔

www.urdupalace.com

"وہ ایک عام نہیں بلکہ ایک اِچھا دھاری ناگن ہے۔" مرشد باقر شاہ نے دھاگے کوفرش سے اٹھاتے ہوئے کہا۔ مرشد باقر شاہ کی بات سن کر زہرا بیگم نے فاتحانہ نگاہوں سے اپنے تینوں بیٹوں کو دیکھا لیکن بیٹوں میں اتنی جسارت نہ تھی کہ ماں سے آنکھیں ملاسکتے حیرت ویاس کی ملی جلی کیفیت سے دوچار تینوں بیٹے حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھے۔ خاص کر فیضان جسے یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ جس عورت کے ساتھ وہ زندگی بیتا رہا ہے۔ درحقیقت وہ ایک ناگن اور اس کی تین ماہ کی اکلوتی بیٹی کی ماں ہے۔

"تمہارے پورے خاندان کا ملیامیٹ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اگر اس کا صفایا نہ کیا گیا تو وہ تمہارے خاندان کا صفایا ضرور کردے گی۔"

فیضان مومنہ سے از حد محبت کرتا تھا۔ اس کی اصلیت جان لینے کے باوجود بھی وہ اس کی موت کا متمنی نہیں تھا۔ لیکن اس کا زندہ رہنا بھی بہتر نہ تھا۔ "اس پرابلم کا سلوشن کیا ہوگا؟" ارسلان نے دانت پیستے ہوئے پوچھا۔

"میری معصوم بیٹی کو اس نے بے موت ماردیا۔ پھر ہماری ماں کو سلاخوں کے پیچھے کروادیا۔ ایسی موت ماروں گا کہ دوبارہ کوئی بھی ناگ یا ناگن انسانوں سے پنگا نہیں لے گی۔"

"نہیں کچھ چیزیں دیتا ہوں۔ ان کو استعمال کرنے کا طریقہ اچھے سے سمجھ لینا۔" مرشد باقر شاہ نے اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے کہا۔ پھر مرشد باقر شاہ اُٹھ کر دیوار سے لگی ایک لکڑی کی بوسیدہ الماری کی طرف بڑھے۔ الماری میں سے کچھ چیزیں اٹھا کر وہ ایک بار پھر ان کی طرف بڑھے۔

"اس پوٹلی کے اندر چار اسٹیل کی کیل اور ایک دھاگہ کا گچھہ ہے۔" مرشد باقر شاہ کے ہاتھوں سے وہ پوٹلی ارسلان نے تھام لی تھی۔

"چاروں کیل گھر کے چاروں کونوں میں ٹھونک دینا اس سے وہ ناگن گھر سے باہر نہیں نکل پائے گی لیکن اس سے قبل اس دھاگے کے گچھے سے دھاگہ سب کے دائیں ہاتھ پر تھوڑا تھوڑا باندھ دینا۔ یہ دھاگہ تمہیں اس ناگن کے شر سے محفوظ رکھے گا اور وہ تمہیں کوئی ایذا نہیں پہنچا سکے گی۔ عین اس وقت جب وہ ناگن کا روپ دھار لے پانی کا چھڑکاؤ اس پر کردینا وہ نذر آتش ہوجائے گی۔ چاہے اس پانی کی ایک بوند بھی اس پر پڑ گئی لیکن صد ہا احتیاط سے کام لینا۔ وہ بہت آتش کی پرکالی ہے۔"

مرشد باقر شاہ نے پانی کی ایک چھوٹی سی بوتل ان کی طرف کرکے سمجھایا۔ بوتل بھی ارسلان نے ہی پکڑلی تھی۔

☆......☆......☆

مرشد باقر شاہ کی ہدایت کے مطابق چارو کیل گھر کے چاروں کونوں میں ٹھونک دیئے گئے۔ یہی نہیں بلکہ وہ دھاگہ بھی سب کے دائیں ہاتھ میں باندھ دیئے گئے۔ دوسری طرف مومنہ کو زہرا بیگم کی رہائی کا علم ہوا تو اس کا ماتھا ٹھنکا۔ اس کا کمرہ فرسٹ فلور پر تھا۔ پلک جھپکتے میں وہ اپنے کمرے سے باہر آگئی اور نیچے ٹی وی لاؤنج میں سب کو تکنے لگی۔ زہرا بیگم کی رہائی پر وہ کوئلہ بن کر رہ گئی تھی۔ اسے اس بات کا یقین تھا کہ زہرا بیگم نے اپنے کسی بیٹے کو بھی اس حقیقت سے آشنا نہیں کرے گی۔ وہ جیسے جیسے سیڑھیاں اتر رہی تھی ویسے ویسے اس کی آنکھوں میں غم وغصے کی آندھی نے زور پکڑنا شروع کردیا تھا۔

"زہرا بیگم کی نگاہ بھی اس پر پڑ چکی تھی یکے بعد دیگرے سب اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ مومنہ کی چھٹی حس اسے خبردار کرنے لگی کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ جیسے ہی مومنہ نے فرش پر قدم رکھا اس کے منہ سے ایک دل خراش چیخ نکلی اور وہ اڑ کر دور جا گری۔

"تمہاری حقیقت ہم پر عیاں ہوچکی ہے ناگن۔" ارسلان غصے سے پھنکارتے ہوئے بولا اور جلدی سے بوتل کا ڈھکن کھولنے لگا۔

"تم لوگ میرا بال بھی بیکا نہیں کرسکتے۔" مومنہ غصے سے پیچ وتاب کھاتے ہوئے بولی۔ اس کی نگاہ ارسلان کے ہاتھ میں پکڑی بوتل پر تھی۔ دوسرے ہی لمحے مومنہ کی جگہ ایک اچھا دھاری ناگن پھن پھیلائے کھڑی تھی۔ قبل اس کے کہ ارسلان اس پر پانی پھینکتا ناگن کی دم اتنی زور سے ہلی کہ بوتل اڑ کر باہر گیراج میں جاگری۔ ایک بار پھر ناگن نے مومنہ کا روپ دھارلیا۔

"کالے دھاگے ہاتھوں میں باندھ کر تم لوگ کب تک مجھ سے بچو گے ایک ایک کو ماروں گی۔"

اتنا کہہ کر مومنہ نے ایک بار پھر ناگن کا روپ دھارا اور سرعت سے باہر کی طرف لپکی لیکن بدقسمتی سے بری طرح پھنس گئی اس کی دم مارنے سے بوتل گیراج کی دیوار سے ٹکرائی اور پانی کے قطرے چہار سو پھیل گئے۔ عین اسی وقت جب مومنہ گیراج میں داخل ہوئی، چھت پر لٹکے چھوٹے سے فانوس سے پانی کی تین چار بوندیں یک لخت گریں اور مومنہ کے جسم کے مختلف حصوں پر آن گریں۔ مومنہ اپنی جگہ رک گئی اور اس نے مڑ کر پہلی بار سب کو ملتجیانہ نگاہوں سے دیکھا۔ کوئی بھی اس کے دیکھنے کے انداز سے اس کی اندرونی کیفیت نہ پڑھ سکا۔ مومنہ کی ترحم آمیز نگاہیں فیضان پر ٹک سی گئیں۔ اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر فیضان کا دل حلق کو آن لگا۔ وہ آگے بڑھنا چاہتا تھا لیکن اس کے بھائیوں نے اسے قابو کرلیا اور عین اسی لمحے مومنہ کے پورے وجود کو آگ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

چہار سو گوشت کے سڑنے کی بساند پھیلتی چلی گئی۔ مومنہ آگ سے جان چھڑانے کے لئے ہاتھ پاؤں ماررہی تھی۔ لیکن بے سود اس کی ہر کوشش رائیگاں گئی۔ اس کی چیخیں تک دب گئیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے مومنہ کا وجود جل کر خاکستر ہوگیا۔ جسے ارسلان کے حکم پر ملازمین نے اکٹھا کرکے نذر آب کردیا۔

☆......☆......☆

فیضان کا دل کرچیاں کرچیاں ہوکر رہ گیا تھا۔ وہ مومنہ کو دل وجان سے پسند کرتا تھا۔ اس کی موت نے اسے ریزہ ریزہ کرکے رکھ دیا تھا۔ اپنی آنکھوں کے سامنے اس نے مومنہ کو لقمۂ اجل ہوتے دیکھا تھا لیکن وہ کچھ کر نہ پایا تھا۔ اس کی دگرگوں کیفیت سے اس کے فیملی ممبران آشنا تھے۔ لیکن محبت انسانی روپ میں ایک دشمن تھی جو پورے خاندان کا صفایا کرنے والی تھی۔ اگر مومنہ کو ابدی نیند نہ سلایا جاتا تو وہ سب کو ابدی نیند سلادیتی۔

فیضان دھیرے دھیرے زینہ چڑھنے لگا۔ کمرے میں آکر اس نے اندر سے کمرے کو لاک کیا۔ بیڈ پر منہ دوسری طرف کیئے اس کی بیٹی خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی تھی۔ آنکھوں میں اشک بھرے وہ اپنی بیٹی کی طرف بڑھا اور اسے اٹھا کر بانہوں میں بھرلیا۔

اس کی بیٹی کی آنکھیں بند تھیں، وہ گہری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ تبھی یکبارگی اس کی بیٹی نے آنکھیں کھولیں۔ اس کی آنکھوں میں جیسے شعلے جل رہے تھے۔ تبھی فیضان نے دیکھا کہ اس کی بیٹی کی زبان سانپ کی زبان کے جیسے اندر باہر نکلنے لگی۔ اس نے بغور دیکھا۔ اس کی بیٹی کی زبان سانپ کی زبان سے متشابہ دورخی تھی۔

اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اس نے بند دروازے کی طرف دیکھا پھر سکون کا سانس لیا اور بیٹی کو بیڈ پر لٹادیا۔ "مومنہ تم مجھے کبھی نہیں بھولو گی۔" فیضان آنسو صاف کرتے ہوئے بولا۔ "اپنی بچی کو زندہ رکھنے کے لئے اگر مجھے اپنے پورے خاندان کو ملیامیٹ کرنا پڑا تو دریغ نہیں کروں گا۔"

اتنا کہہ کر فیضان نے بیٹی کو ایک بار پھر اٹھایا۔ اور کمرے کی کھڑکی کھول کر کھڑا ہوگیا۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اس کے دل ودماغ کو راحت بخشنے لگے تھے۔ اس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ سی پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے ایک بار پھر اپنی بیٹی کو دیکھا تو اسے یوں لگا جیسے اس کی آنکھوں میں مومنہ کے عکس تیر رہے ہوں۔

اور پھر وقت پر لگا کے گزرنے لگا، مومنہ کے خاتمہ کے بعد ایک سال گزر گیا۔ ایک روز زہرا بیگم نے باقر شاہ کو اپنے گھر بلایا۔ باقر شاہ تشریف لے آئے، زہرا بیگم فیضان کی بیٹی کو گود میں لئے بیٹھی تھیں۔

جب باقر شاہ کی نظر بچی پر پڑی تو باقر شاہ بچی کو غور سے دیکھنے لگے اور پھر انہوں نے اپنی دونوں آنکھیں بند کرلیں۔ پھر انہوں نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور بچی پر اپنی نگاہیں مرکوز کردیں۔ باقر شاہ کے منہ سے نکلا۔ "اوہ!"

تھوڑی دیر بیٹھ کر باقر شاہ چلے گئے اور پھر اسی رات فیضان کی بیٹی کا انجام اپنی ماں مومنہ جیسا ہوگیا۔